رسائل و مسائل

کیا حضرت علیؓ کے لیے سورج کو لوٹایا گیا تھا؟

سوال: ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۶۳ء میں حاشیہ تفہیم ۳۵ میں ان احادیث پر بحث کی گئی ہے جن میں سورج کو واپس لوٹائے جانے کا ذکر ہے۔ روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی، سورج واپس آگیا، آپ نے نماز ادا کی۔ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ امام ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو بے اصل کہا ہے۔

اس روایت پر میں نے جو تحقیق کی ہے وہ یہ ہے:۔ ابی جعفر طحاوی احمد بن محمد مصری حنفی نے جلد دوم مشکل الآثار ص۱۲ میں اس پر بحث کی ہے۔ اس روایت اور حضرت یوشع بن نون کے لیے جو سورج کو رد کیا گیا تھا، دونوں میں تطبیق دی ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن موسیٰ ہیں جن کے متعلق لکھتے ہیں محمود فی الروایۃ الخ... محمد بن عون اور ام جعفر اہل بیت سے ہیں۔ صادق اور مقبول الروایۃ ہیں۔ اور اس حدیث کو محدثین نے علاماتِ نبوت میں بڑی علامت قرار دیا ہے (مشکل الآثار ج دوم روایات ردِ شمس وغیرہ)۔ اسی طرح حنفی فقہ کی مشہور کتاب طحطاوی علی نور الایضاح میں اوقات صلوٰۃ کی بحث میں یہ سوال اٹھایا ہے۔ ولو غربت الشمس ثم عادت ھل یعود الوقت؟ الظاھر نعم کما فی الدرر الخ۔ اس کے ثبوت میں وہی حضرت علیؓ والی روایت نقل کی ہے۔ اور اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں نقلہ طبرانی بسند حسن وصححہ الطحاوی والقاضی عیاض واخطأ من جعلہ موضوعًا کابن الجوزی

کما فی المشکل طحاوی ص ۹۵

اسی طرح نور الانوار میں بحث وقت میں ان روایات کو لیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث نہ تو موضوع ہے اور نہ بے اصل۔

اگر سب قارئین کے لیے مفید خیال فرمائیں تو اس کا جواب ترجمان میں دے دیں۔

جواب: ۔ ردّ الشمس سے متعلق روایات پر محض مشکل الآثار طحاوی، اور نور الانوار کی اجمالی بحثیں مطالعہ فرما کر اگر آپ نے یہ خیال کر لیا ہے کہ اس سے تحقیق کا حق ادا ہو گیا ہے، سند و متن کے جملہ اشکالات رفع ہو گئے ہیں اور ان روایات کی صحت ثابت ہو گئی ہے، تو آپ کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اسی طرح ان مختصر بحثوں سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا بھی صحیح نہیں ہے کہ فقط ابن جوزی یا ایک آدھ دوسرے محدث نے ان روایات کو موضوع یا ضعیف قرار دیا ہے اور دوسروں کے نزدیک یہ صحیح یا قوی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے لیے سورج لوٹائے جانے والی ساری روایات ائمہ حدیث اور اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک نہایت ہی ضعیف بلکہ موضوع و مکذوب ہیں اور ان روایات کا کوئی ایک طریق بھی محفوظ اور قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

ابنِ تیمیہؒ نے ان روایات پر جو تنقید کی ہے وہ ان کی تصنیف "منہاج السنّہ" میں موجود ہے۔ منہاج السُّنہ کا عام متداول نسخہ امام ذہبیؒ کا تلخیص کردہ ہے اور "منتقیٰ منہاج السُّنہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس طرح اس مختصر نسخے کو گویا دو جلیل القدر محدثین کی سندِ توثیق حاصل ہے۔ اس کتاب کی فصل ثالث (ص ۵۲۴ تا ۵۲۸) میں "خرافۃ ردّ الشمس لعلی مرتین بعد غروبھا" کے زیرِ عنوان امام ابنِ تیمیہؒ نے ان روایات پر بحث کرتے ہوئے ان کے متعدد سلسلے نقل کیے ہیں اور ان میں وہ بھی شامل ہیں جو امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں دیے ہیں۔ ان میں سے ہر سلسلے کے راویوں پر ابن تیمیہؒ نے ابنِ حبّان، ابو حاتم، ابن عدی، دارقطنی اور شعبہ وغیرہ کی شدید جرح کو الگ الگ بیان کیا ہے اور اپنی رائے ان الفاظ میں دی ہے:

عِلْمُنَا لیقینی بفضل علیّ لا یحتاج	حضرت علیؓ کی فضیلت کے بارے میں ہم جو یقینی
معه هٰذا الکذب فاما رد الشمس له فی	علم رکھتے ہیں وہ اس طرح کے جھوٹ کا محتاج نہیں
زمن النبیّ صلی الله علیه وسلم فقد ذکره	ہے۔ جہاں تک عہدِ نبوی میں اُن کے لیے سُورج
طائفة بلفظ آخر کالطحاوی والقاضی	لوٹائے جانے کا تعلق ہے۔ اس کا ذکر بعض حضرات
عیاض وغیرهما وعدوا ذٰلك من معجزات	مثلاً طحاوی، قاضی عیاض وغیرہ نے کیا ہے اور
الرسول صلی الله علیه وسلم لکن الحذاق	اسے معجزاتِ رسول میں شمار کیا ہے۔ لیکن فنِ حدیث
یعلمون ان هٰذا لم یکن۔	کے ماہرین جانتے ہیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق روایات پر اس سے زیادہ مفصل اور مکمل بحث حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ جزسادس میں کی ہے۔ اس جز کا بیشتر حصہ معجزاتِ نبویؐ کے لیے وقف ہے اور اس میں مصنف نے پوری جامعیت کے ساتھ تمام متعلقہ احادیث و آثار کو نقل کر دیا ہے۔ اس میں "دلائل النبوۃ الحسیۃ" کے عنوان کے تحت آفتاب کے روکے جانے یا لوٹائے جانے والی جملہ روایات پر نہایت شافی اور مبسوط نقد و بحث موجود ہے جو گیارہ بڑے (۷۶ تا ۸۷) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جن اصحابِ رجال کی کثیر تعداد نے ان تمام سلسلہ ہائے اسناد کو ضعیف بلکہ وضعی قرار دیا ہے ان میں دارقطنی، ابن حبان، ابن عدی، یحییٰ بن معین، ابن عساکر، ابن ناصر بغدادی، ذہبی، شعبہ، ابن زنجویہ، دارمی، نسائی، ابو حاتم رازی، المزی، ابن حزم، ابن جوزی، ابن مبارک، ابن مہدی، ابوزرعہ، بخاری، ابو داؤد، جوزجانی جیسے جلیل القدر ائمہ شامل ہیں۔ اس طویل بحث کے دوران میں ایک مقام پر ابن کثیر اس موضوع پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

فی نزول الائمة کمالك واصحاب	امام مالک، مصنفینِ صحاحِ ستہ، اصحابِ مسانید و
الکتب الستة واصحاب المسانید والسنن	سُنن اور دیگر صحیح اور حسن احادیث کے جامعین
والصحاح والحسان روایة هٰذا الحدیث	کا اس ردِّ شمس والی حدیث کا ترک کر دینا اور
وایداعه فی کتبهم اکبر دلیل علی انه لا	اپنی کتابوں میں اسے درج نہ کرنا اس بات کا سب سے

اصل له عندهم وهو مفتعل مأفوك بعدهم وهذا ابو عبد الرحمن النسائی قد جمع کتابا فی خصائص علی بن ابی طالب ولم یذکره وکذالك لم یروه الحاکم فی مستدرکه وکلاهما ینسب الی شیء من التشیع ولا رواه من رواه من الناس المعتبرین الا علی سبیل الاستغراب والتعجب ... والائمة فی کل عصر ینکرون صحة هذا الحدیث و یردونه ویبالغون فی التشنیع علی رواته کما قدمنا من غیر واحد من الحفاظ۔

بڑا ثبوت ہے کہ ان سب کے نزدیک یہ بے اصل ہے اور ان کے بعد جھوٹ موٹ گھڑ لی گئی ہے۔ امام نسائی کو لیجیے جنہوں نے حضرت علی ابن ابی طالب کے خصائص وفضائل میں ایک کتاب مرتب کی ہے، لیکن انہوں نے بھی اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح حاکم نے بھی اپنی کتاب مستدرک میں اسے درج نہیں کیا، حالانکہ دونوں کی طرف ایک حد تک تشیع کو منسوب کیا جاتا ہے۔ معتبر محدثین میں جس نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، محض اظہار تعجب اور اچنبھے کے طور پر کیا ہے اور ہر عہد میں ائمہ حدیث نے اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے، اسے رد کیا ہے اور اس کے راویوں پر شدید طعن وتشنیع کی ہے، جیسا کہ ہم پہلے بہت سے محدثین سے نقل کر چکے ہیں۔

امام طحاوی کی اخذ کردہ روایات میں سے جو نسبتہً قابلِ اعتماد ہو سکتی تھی اُس پر بھی جرح کرتے ہوئے ابنِ تیمیہؒ اور ابنِ کثیر دونوں نے اس میں تدلیس وتعلیل کی نشان دہی کی ہے۔ ابنِ کثیر نے مزید لکھا ہے:

والطحاوی رحمه الله وان کان قد اشتبه علیه امره فقد روی عن ابی حنیفه رحمه الله انکاره والتهکم بمن رواه۔

اگرچہ طحاوی رحمۃ اللہ پر اس روایت کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے، لیکن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کے راویوں کے خلاف اظہارِ نکیر ونفرت منقول ہے۔

امام طحاوی کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول جسے ابنِ کثیر نے بھی نقل کیا ہے، قابلِ ذکر

ہے کہ لم یکن عندہ نقل جید للاسانید کجہابذۃ الحفاظ (ان کے پاس جانچ پرکھ کرنے والے زبردست محدثین جیسا عمدہ سلسلہ اسناد نہیں تھا)

امام ابوحنیفہ کا اس روایت پر انکار و اعتراض سند کے ساتھ نقل کرتے ہوئے ابن کثیر فرماتے ہیں:

فهذا ابو حنيفة رحمه الله وهو من الائمة المعتبرين وهو كوفي لا يتهم على حب علي ابن طالب وتفضيله بما فضله الله ورسوله وهو مع هذا ينكر على راويه۔	یہ ہیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ جو کہ ائمہ معتبرین میں سے ہیں اور کوفی ہونے کی وجہ سے انہیں حضرت علیؓ سے محبت رکھنے اور خدا و رسول کی عطا کردہ فضیلتِ علیؓ کا معترف ہونے کے معاملے میں مطعون نہیں کیا جا سکتا، ہیں کے باوجود وہ اس روایت کے راوی پر معترض ہیں۔

امام طحاوی وغیرہ نے جن روایتوں کی مدافعت کی ہے، ان کی سند پر تو مختصر گفتگو ہو چکی، لیکن سند کے علاوہ ان کا متن اور مضمون بھی درایۃً محلِ نظر ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ اس پہلو پر اپنے لفظوں میں کچھ کہنے کے بجائے ابنِ تیمیہ اور ابنِ کثیر ہی کے الفاظ نقل کر دیئے جائیں۔ ابنِ تیمیہ سابق الذکر بحث ہی میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

لكن الشان هل وقع هذا الحادث العظيم ان الشمس غربت ثم طلعت وما نقله اهل التواتر كما نقلوا انشقاق القمر... ثم نفس غروب الشمس يخرج الوقت المضروب للصلوٰة فالمصلي بعد ذالك لا يكون مصليا في الوقت ولو عادت وطلعت بعد غروبها حصل ايضا وبها افطار الصائم وصلوٰة المسلمين المغرب۔ فبعد طلوعها ايبطل صوم الصائم	لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اتنا عظیم واقعہ رونما ہو گیا۔ کہ سورج غروب ہو گیا اور پھر طلوع ہوا اور اہلِ تواتر نے اسے اس طرح نقل نہیں کیا جس طرح شق القمر کو کیا ہے؟ .... پھر سورج کا مجرد غروب ہو جانا نمازِ عصر کے وقت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے بعد نمازی کی نماز وقت پر ادا نہیں ہو سکتی، خواہ سورج غروب کے بعد دوبارہ لوٹ آئے۔ غروب کے بعد روزے دار روزہ کھول سکتا ہے اور مغرب کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ کیا دوبارہ سورج نکلنے پر

وصلوته وهذا التقدير ماله يوجد — وہ روزہ اور نماز باطل ہو گئی؟ یہ ایک ناممکن مفروضہ ہے۔

اس کے بعد ابن تیمیہؒ نے ان غزوات کا ذکر کیا ہے جن میں نیند یا شدید مشغولیت میں نماز قضا ہو گئی۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ بھی موجود تھے، لیکن وہاں اللہ نے سورج کو لوٹا کر رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل نہیں کیا، بلکہ نماز قضا ادا کی گئی۔ اسی بات کو دوسرے الفاظ میں ابن کثیر نے بھی دہرایا ہے اور مزید فرمایا ہے کہ جن صحابہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بنو قریظہ میں جاکر نماز عصر پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی اور اس پر لفظاً عمل کرتے ہوئے انہوں نے راستے میں نماز ادا نہیں کی تھی حالانکہ سفر ہی میں سورج ڈوب گیا تھا، بلکہ بنو قریظہ کی بستی میں پہنچ کر مغرب کے بعد نماز عصر پڑھی تھی، ان کے لیے اگر سورج واپس نہیں ہوا تو حضرت علیؓ کے لیے کیسے ہو گیا؟ پھر حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وکیف یدخل فی عقل احد من اھل العلم ان یکون ھٰذا الحدیث یرویہ علی ابن ابی طالب وفیہ منقبۃ عظیمۃ لہ ودلالۃ معجزۃ باھرۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم لا یروی عنہ الا بھذا الاسناد . . . کیف یقع مثل ھٰذا نھاراً جھرۃ وھو مما تتوفر الدواعی علی نقلہ ثم لا یروی الا من طرق ضعیفۃ منکرۃ واکثرھا مرکبۃ موضوعۃ۔

کسی اہل علم کی عقل میں یہ بات کیسے آسکتی ہے کہ اس حدیث کے حضرت علیؓ اولین راوی ہوں، اس میں ان کی عظیم منقبت اور ایک زبردست معجزۂ نبوی کا بیان ہو اور پھر ان کی طرف سے اس طرح کی سند کے ساتھ اسے آگے روایت کیا جائے؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دن کی روشنی میں علانیہ پیش آئے، اس کے نقل کیے جانے کے اسباب، وجوہ اور محرکات بھی بہت سے ہوں، لیکن اس کے باوجود اس روایت کے سارے طرق ضعیف و منکر بلکہ اکثر بناوٹی اور موضوع ہوں۔

آگے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ سورج کا غروب کے بعد مغرب سے نکلنا تو قرب قیامت کی سب سے بڑی علامت ہے، وہ کوئی معمولی واقعہ تو نہیں ہے کہ بس یونہی ظاہر ہو کر گزر جائے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے